سوال نمبر 2 (الف)۔۱ **باپ کی بیماری:**

باپ ایک دن رات کو اپنے بستر میں بیٹھا تھا۔ کسی کام کی نیت سے وہ اپنے بستر سے اُٹھا۔ بستر کے گرم ماحول سے اُٹھنے کے بعد جب وہ سردی کے ماحول میں گیا تو ٹھنڈی ہوا لگنے کی وجہ سے اسے **نمونیا** ہو گیا۔ اس نے اس کو بیمار کر دیا اور اس سے لڑتے لڑتے وہ اپنی جان گنوا بیٹھا۔

سوال نمبر 2 (الف)۔۲ **گھر والوں کا سلوک:**

بیماری کے دوران گھر والوں کا باپ کے ساتھ سلوک بہت اچھا تھا۔ وہ اس کی دیکھ بھال کرتے تاکہ وہ اپنی بیماری سے جلد شفا یاب ہو سکے۔ اس کے بیٹوں نے اس کے بہت سے علاج معالج کرائے۔ اس کی بیوی اور بہو سارا دن اس کے بستر کے پاس بیٹھی رہتیں اور اس کی پٹی کرنے میں مصروف رہتیں۔ اس کے بعد وہ اس کی پٹی کے ساتھ لگی بیٹھی رہیں۔ گھر والوں کے اتنے جاں نثار سلوک کے باوجود وہ فوت ہو گیا۔

سوال نمبر 2 (الف)۔۳ **کتبے کا ملنا:**

بیٹے کو کتبہ اپنے باپ کی موت کے بعد ملا۔ ایک دن وہ گھر کی **صفائی** کر رہا تھا۔ اس دوران اردگرد کی چیزوں کا جائزہ کرتے ہوئے اس کو بوری دکھی۔ کتبہ اسی **بوری** میں موجود تھا۔

سوال نمبر 2(الف)۔۴ **بیٹے کی کیفیت:**

کتبے کو دیکھتے ہی بیٹے کی آنکھیں آنسو سے بھر گئیں۔ یہ دراصل وہ آنسو تھے جو اس کو اس کے باپ کی یاد میں آئے تھے۔ وہ اپنے باپ سے بہت محبت کرتا تھا۔ وہ کافی دیر تک کتبے کی خطاطی اور نقش و نگار میں گم رہا۔

سوال نمبر 2(الف)۔۵ **آنکھوں میں چمک:**

بیٹا کتبے کو دیکھ کر باپ کی یاد میں آنسو بہا کر اپنے دکھ کا اظہار کر رہا تھا۔ لیکن پھر اس کے دکھ کو عارضی خوشی نصیب ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں چمک اس کو ایک بات سوجھنے کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ اس نے اگلے دن کتبے کی سنگِ تراش سے مرمت کروائی اور پھر اس کو اپنے باپ کی قبر پر نصب کر آیا۔

سوال نمبر 2(الف)۔۶

05

متعلقہ سوال کا جواب صرف مختص کردہ جگہ پر اور بیرونی نشان کے اندر دیا جائے۔

22570859

سوال نمبر 2 (الف)۔ ۷

سوال نمبر 2 (ب)۔ ۱ **اہلِ وطن کا فخر:**

اہلِ وطن کو اپنے نوجوانوں کی **"تیغِ تیز"** پر فخر ہے۔ یعنی وہ اس کی تیز تلوار کی طرف فخر سے دیکھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اس بہادر نوجوان کے ہاتھ سے چلنے والی اس تیز تلوار نے بہت سے دشمن کے سر قلم کرنے میں کردار ادا کرنا ہے۔ اس لیے یہ تلوار ان کے لیے باعثِ فخر ہے۔

سوال نمبر 2 (ب)۔ ۲ ~~**اہلِ وطن کا فخر:**~~

~~اہلِ وطن کو اپنے نوجوانوں کی **"تیغِ تیز"** پر فخر ہے۔ یعنی وہ اس کی تیز تلوار کی طرف فخر سے دیکھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اس بہادر نوجوان کے ہاتھ سے چلنے والی اس تیز تلوار نے بہت سے دشمن کے سر قلم کرنے میں کردار ادا کرنا ہے۔ اس لیے یہ تلوار ان کے لیے فخر کا باعث ہے۔~~

عروج و زوال کا انحصار: وطن کا عروج و زوال اس کے **نوجوانوں** پر **منحصر** ہے۔ اگر وہ جوان

سوال نمبر2(ب)۔۳ **حرکت و عمل کا جذبہ:**

مسلح افواج میں حرکت و عمل کا باعث **جذبۂ عشق** تھا۔ عشق کا جذبہ ان کے اندر جوش و خروش پیدا کر رہا تھا کہ وہ دشمن کے خلاف مقابلے میں اپنا تن من دھن قربان کر دیں لیکن ہار نہ پائیں۔ یہ جذبہ ان کو دشمن کے خلاف متحرک ہونے کی لگن دے رہا تھا اور انھیں دلیری بخش رہا تھا۔

سوال نمبر2(ب)۔۴

سوال نمبر2(ج)۔۱ **آدابِ عشق:**

اس شعر کے مطابق آدابِ عشق کا یہ تقاضا ہے کہ محبوب کی محفل میں **خاموشی** اختیار کی جائے۔ ایک عاشق کو یہ نہیں جچتا کہ وہ سب کے سامنے اپنے محبوب کے لیے جذبات کو بیان کرنا شروع کر دے۔ یہ عمل محبت کی رسوائی کا باعث بنتا ہے۔

سوال نمبر 2 (ج)۔۲

سوال نمبر 2 (ج)۔۳ **حیرت نہ ہونا:**

شاعر نے کسی بات پر حیرت کا اظہار اس لیے نہیں کیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ان چیزوں کو ایسے ہی ہونا ہے۔ یہ دراصل **قسمت** کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کے مقدر میں جو لکھا ہے اس کے ساتھ وہی ہوگا۔ وہ لاکھ کوشش کر کے بھی ہونی کو نہیں بدل سکتا اس لیے ہونے والے کام پر حیرت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

سوال نمبر 2 (د)۔۱

سوال نمبر 2(د)۔۲ **امدادی افعال:**

الف۔ یہاں پر امدادی فعل **"دینا"** استعمال ہوا ہے جسے جملے کی مناسبت سے **"دو"** میں تبدیل کیا گیا ہے۔

ب۔ یہاں **"اٹھنا"** امدادی فعل ہے۔ جملے میں **"اٹھا"** استعمال ہوا ہے۔

ج۔ اس جملے میں امدادی فعل **"لیا"** ہے جو **"لینا"** سے نکلا ہے۔

سوال نمبر 2(د)۔۳ **ردیف:**

اس بند میں ردیف **"کا"** کا استعمال ہوا ہے۔ لیکن رباعی میں تیسرے شعر کا ردیف عموماً باقی شعروں سے مختلف ہوتا ہے۔ یہاں پر بھی تیسرے شعر میں **"کر"** استعمال کیا گیا ہے۔

اقتباس کی تشریح

تشریح:

یہ اقتباس دراصل **"سعادت حسن منٹو"** کی ایک تحریر سے ماخوذ ہے۔ اس میں ایک ایسے شخص کا بیان کیا جاتا ہے جسے طبیعت کی خرابی کی وجہ سے ہسپتال منتقل کیا جاتا ہے۔ ہسپتال میں اس کو **کورونری تھرومبوس** ہے جو ایک جان لیوا بیماری ہے۔ یہ **اختر** نامی پہلے ہی زندگی میں پیار و محبت کی کمی کی وجہ سے ہار جان چکا ہے اور اب اس کی طبیعت بھی بہت بگڑ چکی ہے لہٰذا اس کے بچنے کے کوئی امکانات نہیں دکھتے۔

دشمنوں نے جو دشمنی کی ہے
اپنوں نے کیا کوئی کمی کی ہے

لیکن یہاں پر اس کی ملاقات ایک **منظور** نامی بچے سے ہوتی ہے جس کے اچھے اخلاق اور تہذیب اس کی مردہ روح کو متحرک ہونے پر آمادہ کرتے ہیں۔ یہ اقتباس بھی اسی تناظر میں لکھا گیا ہے۔

تشریح طلب اقتباس میں منظور اور اختر کی **دوستی** کا عکس دکھایا گیا ہے۔ مصنف بیان کرتے ہیں کہ اختر اور منظور کی

سوال نمبر 3 (صفحہ نمبر 2/4) کی طرح تھی۔ مسیحا یہاں پر **تلمیح** ہے جو **حضرت عیسیٰؑ** کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ عیسیٰؑ اپنی قوت کے بدولت بیمار لوگوں کو شفا عطا کرتے تھے جس کی وجہ سے انہیں مسیحا کہا جاتا تھا۔

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

غرض یہاں پر منظور کی بااخلاقی نے اختر کو شفا دی تھی۔ اس نے اس میں زندگی کی نئی روح پھونکی تھی۔ اختر کو ہمیشہ لگتا تھا اسے جو **دل کا دورہ** آیا ہے وہ اس سے کبھی نہیں بچ پائے گا۔ اس نے ہار مان لی تھی۔ اختر کے ہار ماننے کے پیچھے ایک یہ وجہ بھی تھی کہ اس کو اپنی زندگی میں کبھی پیار نہ ملا تھا۔ اس کے اپنے ماں باپ بچپن میں ہی انتقال کر گئے تھے جس کی وجہ سے اس کو کبھی قربت نصیب نہیں ہوئی۔ زندگی کے ان دکھوں نے اسے حالات سے مجبور کر دیا تھا اور وہ اس امید پر بیٹھ گیا تھا کہ زندگی سے چھٹکارا پانے کا آسان طریقہ موت ہے۔

میری قسمت میں غم گر اتنا تھا
دل بھی یارب کئی دیئے ہوتے

اختر کی بااخلاقی کی وجہ سے اس کو پہلی دفعہ **اپنائیت** کا احساس ہوا۔ اسے ایسا لگا کہ کوئی اس سے محبت کرتا ہے۔ اس کے بارے میں پروا

سوال نمبر 3 (صفحہ نمبر 3/4) رہنے کی پاس پیدا ہوئی۔ اس کے دل میں یہ
امنگ پیدا ہوئی کہ وہ مکمل شفایاب ہو کر اپنے گھر لوٹ جائے۔
اچھی صحت کے ساتھ اپنی زندگی کا سفر پھر سے شروع کرے۔ اسے
جو اللہ تعالیٰ نے **دوسری زندگی** دی ہے وہ اس کو ایک اچھے
انداز میں بسر کرنے کے لیے بے تاب تھا۔

سوال نمبر 3 (صفحہ نمبر 4/4)

سوال نمبر 4 (صفحہ نمبر 1/4)

نظم کی تشریح

تشریح

یہ شعر 'جوش ملیح آبادی' کی نظم 'مناظرِ سحر' سے ماخوذ ہے۔ اس میں وہ صبح کے خوبصورت منظر کو بیان کررہے ہیں۔

اس بند میں شاعر کہتے ہیں کہ صبح کے دلکش نظارے میں دل کو معطر کر دینے والی خوشبو بھی موجود ہے۔ پھولوں کی مہک صبح کے وقت ہر سمت میں پھیلی ہوئی ہے۔ پھولوں کی کلیاں چٹک رہی ہیں۔ شبنم کلیوں کے رخسار کو چوم کر اسے اور دلکش بنا رہی ہیں۔ یہ نہ صرف پھول بلکہ ماحول کی دلکشی میں بھی اضافہ کررہا تھا۔

وہ اوس کھا کھا کر سبزہ اور بھی ہرا ہوا
تھا پھولوں سے دامنِ سحر بھرا ہوا

چاند بھی آسمان میں ایک بہت جاذب منظر پیش کررہا ہے۔ اس کی دھیمی دھیمی روشنی ~~آسا~~ آسمان کے اندھیرے کو روشنی فراہم کررہی ہے۔ نیچے موجود سمندر بھی چاند کی روشنی سے منور ہو رہا تھا۔ اس کے کی سطح پر چاند کی روشنی کا عکس بہت خوبصورت معلوم ہوتا تھا غرض ہم اس کو سمندر کا جھلکنا بھی کہہ سکتے ہیں۔ آسمان میں موجود

سوال نمبر 4 (صفحہ نمبر 2/4) پورے طریقے سے آسمان پر حاوی نہ آئی تھی ستارے ابھی بھی ہلکی روشنی سے سہی لیکن جھلملا ضرور رہے تھے۔ مزید یہ کہ صبح کے ماحول میں گل کی خوشبو مہک رہی تھی جو فطرت میں تازگی اور ذہن کے لیے سکون کا باعث تھی۔

سہ یکایک ایک تازگی یکایک ایک روشنی
نگاہِ جان میں آگئی حیات میں سما گئی

اس کے بعد شاعر مزید یہ بیان کرتے ہیں کہ ہوا کے جھونکے کی وجہ سے سبزہ زار بھی کھل رہا ہے۔ کھیت میں بہت بڑی مقدار میں سبزہ زار موجود ہوتا ہے، ہوا کے چلنے کی وجہ سے یہ ساری فصلیں، درخت، پودے وغیرہ ایک سمت میں جھومتے تھے ان کا ایک ساتھ مل کر لہلہانا آنکھ کو بہت خوبصورت معلوم ہوتا تھا اور شاعر اس کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکے۔ درختوں کی شاخیں ہوا کے چلنے کی وجہ سے ایک دوسرے سے ٹکرا رہی ہیں۔ مختلف شاخیں ایک دوسرے کے ساتھ جا کر ملتی ہیں۔ یہ تمام سبزہ معاشرے میں ہریالی اور جاذبیت کا باعث بنتا ہے۔

سہ عروج نشہ نشونما سے ڈالیاں جھومیں
ترانے گائے مرغانِ چمن نے شادماں ہوکر

صبح کی ہوا جو چلی رہی ہے اس کو اکثر **بادِ صبا** بھی کہا جاتا ہے۔

سوال نمبر 4 (صفحہ نمبر 3/4) کا دن کہا جا سکتا ہے۔ اس منظر نے انسانوں، جانوروں، فطرت غرض ہر چیز کو ایک ساتھ دلکشی بخشی ہے۔ الغرض منظرِ سحر بہت خوبصورت ہے اور انسان کی روح کو تسلی بخشتا ہے۔

سو ہم جیسے اہلِ نظر کو ثبوتِ حق کے لیے
اگر رسول نہ ہوتے تو صبح کی کافی تھی

سوال نمبر 4 (صفحہ نمبر 4/4)

سوال نمبر 5 (صفحہ نمبر 1/6)

(الف)

(ذ) کون کہتا ہے۔ . . . . . .
. . . . جاؤں گا

تشریح:

اس شعر میں شاعر یہ موضوع سخن بیان کر رہے ہیں کہ موت کے بعد میں مر تو نہیں جاؤں گا بلکہ میں تو زندہ رہوں گا۔

اس شعر میں شاعر **زندگی اور موت** کی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ دنیا میں لوگوں کے زندگی اور آخرت کے بارے میں مختلف عقائد ہیں۔ کچھ لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ دنیا کی فانی زندگی ہی سب کچھ ہے موت کے بعد کچھ بھی نہیں ہوتا۔ ان کے نظریے میں کوئی آخرت کی زندگی کا تصور نہیں ہے۔ ان کے مطابق ہمیں زندگی جو ملی ہے اسے مکمل طور پر گزارنا چاہیئے۔ ہمیں مختلف مناظر اور چیزوں سے لطف اندوز ہونا چاہیئے کیونکہ یہ فانی زندگی ہی ہمارا سب کچھ ہے۔ یہ نظریہ غلط ہے۔ اس کے برعکس شاعر اس کے خلاف کہتے ہیں کہ موت کے بعد انسان کبھی نہیں مرتا۔ موت کے بعد انسان ایک دنیا سے دوسری دنیا میں منتقل ہو جاتا ہے۔ دنیا سے آخرت میں جانے کے لیے اسے موت کے تکلیف دہ لمحے سے

سوال نمبر 5 (صفحہ نمبر 2/6) سے اس کے اعمال کا حساب لیا جائے گا۔ غرض شاعر کہتے ہیں کہ موت کے بعد وہ مر نہیں جائیں گے۔

مرگ اک ماندگی کا وقفہ ہے
یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

دوسرے مصرع میں شاعر اس بات کو ایک حقیقی مثال سے بیان کرتے ہیں۔ وہ خود کو **دریا** کہتے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ جس طرح دریا ایک سمندر میں داخل ہو جاتا ہے تو اس کی جسمانی موت ہو جاتی ہے لیکن اگر دیکھا جائے تو اس دریا کا پانی ابھی بھی سمندر میں موجود ہے۔ غرض ابدی طور پر دریا کی موت نہیں ہوتی۔ دریا صرف جسمانی طور پر ختم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں ادھر ہی رہتا ہے۔ موت کی مثال بھی ایسی ہی ہے۔

زندگی ایک حادثہ ہے اور کیسا حادثہ
موت سے بھی جس کا سلسلہ ختم ہوتا نہیں

(نظم) تیرا در۔ . . . . . .
. . . . جاؤں گا

تشریح

سوال نمبر 5 (صفحہ نمبر 3/6) سے جدا ہو کر میں کبھی سنبھل نہ پاؤں گا۔

یہ شعر اردو شاعری کی کلاسیکل شاعری کے تناظر میں لکھا گیا ہے۔ لیکن اس شعر کے دو پہلو ہو سکتے ہیں: پہلا پہلو یہ ہے کہ شاعر اپنے محبوب کے عاشق میں دیوانہ ہو چکا ہے۔ وہ سارا وقت اس کی قربت میں رہنا چاہتا ہے۔ اس کا دیدار کرنا چاہتا ہے۔ اس کی ایک جھلک اس کی زندگی کو توانائی بخشتی ہے۔ یہاں پر وہ اپنے محبوب سے مخاطب ہے کہ اے میرے محبوب! میں تجھ سے بہت محبت کرتا ہوں۔ تجھ سے جدائی اختیار کرنے کا میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا۔ اگر میں تیرے کوچے سے جدا ہو جاؤں گا تو میں اس دنیا میں کبھی سنبھل نہیں پاؤں گا۔ میں اپنے گھر میں قید ہو کر رہ جاؤں گا۔ یا پھر تیری محبت میں صحرا میں ریت اڑاتا رہوں گا۔ یہ کام کرنے کی وجہ سے میں بکھر جاؤں گا۔

سو یوں اٹھے آہ اس گلی سے ہم
جیسے کوئی جہاں سے اٹھتا ہے

شعر کا دوسرا پہلو عشقِ مجازی کا پہلو رکھتا ہے۔ شاعر اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہیں کہ اے اللہ! میں تیرا عاجز بندہ ہوں۔ تیرے سوا میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ میں ہر وقت تیرے پاس ہی آتا ہے۔ چاہوں مجھے کوئی خواہش ہو یا طلب میں تیرے آگے ہی ہاتھ اٹھاتا ہوں۔ میرے جینے اور مرنے کا مقصد صرف تو ہی ہے۔ اگر تو مجھے اپنے دربار سے باہر کر دے گا تو میرا کوئی

سوال نمبر 5 (صفحہ نمبر 4/6) تصور بھی نہیں کر سکتا۔

س و پورے قد سے کھڑا ہوں تو یہ ہے تیرا کرم
مجھ کو جھکنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا

(iii) تیرے پہلو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جاؤں گا

تشریح:

اس شعر میں شاعر اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر کہہ رہے ہیں کہ اگر میں تیرے پہلو سے اٹھ بھی گیا تو پھر بھی تجھے بھلا نہیں پاؤں گا۔

اس شعر میں شاعر نے اردو شاعری کی روایت کو برقرار رکھا ہے۔ وہ اپنے محبوب سے کہتے ہیں کہ اگر میں تیرے پہلو سے اٹھ بھی جاؤں تو میرے لیے تمہیں بھلانا مشکل ہوگا۔

س و بھلاتا لاکھ ہوں لیکن برابر یاد آتے ہیں
یا الٰہی! وہ ترکِ الفت پر کیوں کر یاد آتے ہیں

شاعر اپنے محبوب کے عشق میں گرفتار ہو چکا ہے۔ وہ ہر وقت اس کا دیدار دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کے قریب رہ کر وقت گزارنا

سوال نمبر 5 (صفحہ نمبر 5/6) محبت کرے جس طرح میں اس سے کرتا ہوں۔ اس کے دل میں بھی میرے لیے جذبات پروان چڑھیں۔ لیکن اردو شاعری کا محبوب ہمیشہ جفاکش اور سنگ دل ہوتا ہے۔ وہ عاشق کے وفا کا جواب بے وفائی سے دیتا ہے۔ اس لیے شاعر کا دل ٹوٹ گیا ہے۔ وہ اپنے محبوب سے دوری اختیار نہیں کرنا چاہتے۔ لیکن حالات کی مجبوری کے تحت وہ اس سے دور جانے کا ارادہ باندھ لیتے ہیں۔ پھر بھی وہ اپنے محبوب سے مخاطب ہوکر کہتے ہیں کہ میں تجھ سے دور تو چلا جاؤں گا لیکن مشکل یہ ہے کہ تم ہمیشہ میرے دل میں رہوں گے۔ میرے خوابوں کی زینت بنو گے۔ میں جدھر بھی جاؤں گا جدھر بھی دیکھوں گا مجھے تم ہی دکھو گے۔ یہ حالت بے بسی ہے۔ شاعر عشق کی حالت میں اپنا حال کھو بیٹھا ہے۔

؎ وہ ایک ہی چہرہ تو نہیں سارے جہاں میں
جو دور ہے وہ دل سے اتر کیوں نہیں جاتا

بقول شاعر!

؎ تیرا حسن ہے تیرا جمال ہے بس تو ہے
مجھے یہ فرصت کاوش کہاں کہ کیا ہوں میں

سوال نمبر 5 (صفحہ نمبر 6/6)

سوال نمبر 6 (صفحہ نمبر 1/3)

درخت کی آپ بیتی

میں ایک درخت ہوں۔ حقیقت میں آم کا درخت تھا۔ آج میں جس دکرگوں حالت میں ہوں اس کو بیان کرنا مشکل ہے۔ میرا تن زمین سے جدا ہے، میری شاخیں ٹوٹ چکی ہیں، میرے پتے اکھڑ چکے ہیں۔ کیا کیا ظلم نہیں ہوا میرے ساتھ۔ لیکن میرا آج کا کل اپنے پیچھے ایک بہت خوبصورت ماضی لیے ہوئے ہے۔ لیکن دل کرتا ہے کہ میں ان سب چیزوں کو بھول جاؤں۔

یادِ ماضی عذاب ہے یارب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

میری زندگی کے آغاز کا باعث ایک آم کی گھٹلی تھی۔ ایک گاؤں میں ایک شخص نے آم کھا کر اس کی گھٹلی سے ہرہ بھرا ہونے کا سوچا۔ اس نے گھٹلی کو کھول کر اس میں سے دانہ نکالا اور مجھے زمین میں بو دیا۔ وہ مجھے ہر دن پانی دیتا۔ ہر دن مجھے دیکھنے آتا۔ ہر دن میری بڑائی کو ناپتا ہے۔ سورج کی کرنوں اور پانی کی دلکشی میں میں بیج سے پودا بنا اور یہ پودا بڑا ہوتے ہوتے ایک مضبوط تنے والے درخت بن گیا۔ وقت مزید گزرنے کے ساتھ ساتھ مجھ پر لگے پودے بھی پھیلتے رہے۔ غرض میں اپنے نیچے ایک عظیم سایہ لیے کھڑا تھا۔ گاؤں کے لوگ مجھ سے طرح طرح کے کام لیتے۔ ~~اپنے~~

اپنے ابتدائی سالوں میں انھوں نے میری ٹھنڈی

سوال نمبر 6 (صفحہ نمبر 2/3) نیچے کرسیاں رکھوالیں۔ شام کو میرے نیچے گاؤں کی روایات کے مطابق **پنچایت** لگا کرتی تھی۔ یہاں بزرگ تشریف لاتے، حکایات بیان کرتے، کچھ شرعی مسائل کا حل بتاتے اور ایک دوسرے کے ساتھ وقت گزارتے۔ اگر وہاں پر گاؤں کے فسادات کے بارے میں فیصلہ کیا جاتا تھا۔ دونوں اطراف کے درمیان لمبی بحث چھڑتی تھی لیکن آخر میں گاؤں کا سرپنچ فیصلہ حق کی بنا پر ہی سناتا تھا۔ میں ان تمام واقعات سے بہت لطف اندوز ہوتا تھا۔ مجھے خوشی تھی کہ میں ان لوگوں کے لیے فائدے کا ذریعہ بنا

سو کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

اس کے علاوہ دوپہر اور صبح کے اوقات میں گاؤں سے گزرنے والے مختلف مسافر آرام کرنے کے لیے میرے نیچے بیٹھ جاتے۔ سائے کے نیچے آنے کے بعد ان کے چہرے پر طمانیت کا احساس دیکھ کر میرے دل کو سکون پہنچتا۔ اس کے علاوہ گاؤں کے لڑکے اکثر کرکٹ کھیلتے ہوئے مجھے اپنی وکٹ بنا لیتے۔ گیند زور سے آ کر میرے تنے پر لگتی تو میں کراہتا۔ لیکن میری چیخیں کوئی نہ سن پاتا تھا کیونکہ اس کے لیے کانوں کی نہیں بلکہ دردِ آشنا دل کی ضرورت ہوتی ہے۔

سو موت سے کس کو مفر ہے مگر انسانوں کو
پہلے جینے کا سلیقہ تو سکھایا جائے

گاؤں کی لڑکیاں بھی اکثر آنکھ مچولی کھیلنے کے دوران میرے پیچھے چھپ جاتیں۔ ان ننھے منھے بچوں کی حرکتوں کو دیکھ کر میرا دن بہت اچھا

سوال نمبر 6 (صفحہ نمبر 3/3) پھر گاؤں سے پنچایت کا رواج ختم ہو گیا تو میرے نیچے ایک حلوائی نے آ کر اپنی دکان لگا لی۔ اس کا کہنا تھا کہ اس کی جلیبی گاؤں والوں کے مزاج میں مٹھاس پیدا کرے گی اور پکوڑے ان میں تہذیب کے بھولے اصولوں کو جگائیں گے۔ خاص طور پر سردیوں میں لو اگر اس کھانے سے بہت لطف اندوز ہوتے۔ لیکن یہ میرے لیے زیادہ خوشی کی بات نہ تھی کیونکہ چولہے کا سارا دھواں میرے بدن پر آ لگتا۔ میرے کچھ پتے بھی جل کر راکھ ہو گئے تھے لیکن اب کیا کیا جا سکتا تھا۔

سو وفا، اخلاص، قربانی، محبت
اب ان لفظوں کا پیچھا کیوں کریں ہم

پھر ایک دن وہ آیا جس کا مجھے ہمیشہ سے اندیشہ تھا۔ رات کا وقت تھا۔ میں گہری نیند میں سو رہا تھا کہ اچانک مجھے اپنے تنے پر ایک نوک دار چیز لگتی ہوئی محسوس ہوئی۔ شعور کی آنکھ کھلی تو معلوم پڑا وہ ایک لکڑہارا تھا جو مجھ پر کلہاڑی چلا رہا تھا۔ میں مستقبل کے اندیشوں سے لرز گیا۔ میرا شباب پژمردگی کی دہلیز پر قدم رکھ چکا تھا۔ پھر کاٹے کا وہ وقت آیا جب میں زور سے زمین پر گر گیا۔ اس عمل میں مجھے بہت تکلیف ہوئی۔ ان جانکسل لمحات کے دوران اس نے مجھے ٹرک پر لادا اور اپنے ساتھی کو گاڑی بھگانے کا کہا۔ دراصل انھوں نے مجھے چوری کیا تھا۔ وہ مجھے ایک دکان پر لے آئے جہاں میرے جیسے اور بھی بہت سے درخت تھے۔ اب میں اس وقت سے یہیں پڑا ہوا ہوں۔ واللہ عالم آگے میرے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ اب تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ موت ہی ان تمام مصائب سے چھٹکارا ہے۔

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 1/7)

سائنس کا ارتقا

"آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پر آسکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو گئی"

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر بھیجا۔ اس شعور عطا کیا۔ اس کے اندر موجود تجسس کے جذبے نے اس کو متحرک کیا کہ وہ کائنات میں موجود رازوں کو جانے۔ ان کی کھوج کرے۔ اس کی وجہ سے وہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں لگ گیا۔ انسان کے اس جوش میں جو ایجادات منظر عام پر آئیں انہیں "سائنس" کا نام دیا گیا۔ اس کی بدولت انسان ہواؤں کے کاندھوں پر سوار ہو گیا، سمندر کی کھوج کرنے لگا اور زمین کے رازوں کو دریافت کرنے لگا۔ اس نے ثابت کردیا کہ جو کائنات اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے تخلیق کی وہ اس کا حق دار ہے۔ ارشاد ہے:

"اور ہم نے کائنات کو انسان کے لیے مسخر کردیا۔"

سائنس نے زندگی کے ہر شعبے میں انسان کو فائدے پہنچائے ہیں۔ بقول اقبال:

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 2/7) سب سے پہلے اگر طب کے شعبے کی بات کی جائے تو سائنس نے اس میں کیا کیا نہیں کیا۔ آج کل ایسے آلات اور علاج کے طریقے ایجاد ہو گئے ہیں کہ بیماریوں کا وقت سے پہلے ہی پتا لگ جاتا ہے۔ اعضا بدل دیے جاتے ہیں۔ دل، آنکھ، جگر کا ٹرانسپلانٹ کر دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ایکس رے مشین سے ہم جسمانی ہڈیوں کے بارے میں معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ اس طرح ای سی جی، ایم آر آئی بھی بہت فائدے کے آلات ہیں۔ اب بروقت دوائی لے کر انسان اپنے درد سے فوری شفایاب ہو سکتا ہے۔

سو میرے ذوق تسخیر فطرت کے آگے
عناصر کا قلب تو جگر کانپتا ہے

اس کے علاوہ بجلی ایک ایسی توانائی ہے جو راتوں کو روشن کر دیتی ہے۔ بجلی کے ذریعے جتنا انسانیت کو فائدہ پہنچا ہے شاید ہی کسی اور ایجاد نے انہیں اتنا فائدہ پہنچایا ہے۔ بجلی کے ذریعے گھروں میں روشنی پیدا ہوتی ہے۔ فیکٹریوں اور دفاتر میں رات گئے کام ہوتا رہتا ہے۔ بجلی زندگی کے ہر شعبے میں دلچسپی ہے۔ ہر شعبہ اس سے منسلک ہے۔ کوئی بھی بجلی کے بغیر ترقی نہیں کر سکتا۔

سو بازیچہ اطفال ہے دنیا مرے آگے

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 3/7) **برقی توانائی** اور **مواصلات** نے فاصلوں کو
سمیٹ دیا ہے۔ دنوں کا سفر گھنٹوں اور گھنٹوں کا سفر منٹوں میں
طے کر لیا جاتا ہے۔ گاڑی، موٹر سائیکل، جہاز وغیرہ کی ایجاد کی
وجہ سے انسان ایک جگہ سے دوسری جگہ باآسانی پہنچ جاتا
ہے۔ آج کل اسپیڈ جہاز ایجاد ہو چکے ہیں جو آواز کی رفتار
سے بھی زیادہ تیز دوڑتے ہیں۔ غرض دنوں کا فاصلہ منٹوں میں
طے کرنے والے سپرسونک جہاز اپنی مثال آپ ہیں۔

سو لگا دی کاغذی ملبوس پہ مہر ثبوت اپنی
بشر کے نام کر دے خدا نے کائنات اپنی

زراعت کے شعبے میں بھی سائنسی ایجادات نے بہت فائدہ
پہنچایا ہے۔ ٹریکٹر، ہارویسٹر وغیرہ کی ایجاد کی وجہ سے کسانوں
کے لیے کام بہت آسان ہو گیا۔ اس کے علاوہ مختلف کھادوں کا
استعمال کرنے سے فصلوں کی پیداوار زیادہ ہوتی ہے۔ مختلف
کیمیائی ادویات انھیں کیڑوں کے حملے سے بچاتی ہیں۔ اس کے
علاوہ سائنس نے ملک کے **دفاع** کو بھی ناقابل تسخیر بنا دیا ہے۔
مختلف قسم کے بم، مشینیں اور ہتھیار ایجاد ہوتے ہیں جو
قدیم زمانے کی تلوار اور شمشیر سے بہت آگے ہیں۔ حال ہی
میں ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم نے دنیا میں انقلاب برپا کر دیا ہے
ان کی وجہ سے شہر کے شہر سیکنڈوں میں تباہ ہو سکتے ہیں۔

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 4/7) **مصنوعی ذہانت** میں بھی سائنس کا بہت بڑا کردار ہے۔ یہ نئے دور کی ایجاد ہے۔ اس کی بدولت انٹرنیٹ، کمپیوٹر، موبائل جیسی مفید چیزیں ایجاد ہوئیں۔ ان کے ذریعے ہم کسی کو بھی کسی وقت کسی بھی جگہ پر اپنا پیغام بھیج سکتے ہیں۔ انھوں نے دنیا کو "گلوبل ویلج" کا رخ دیا ہے جہاں ہر چیز ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں۔ انٹرنیٹ کی بدولت مختلف کاروباروں کو بھی بہت مدد ملی ہے۔ وہ اپنے اشتہارات انٹرنیٹ پر دکھاتے ہیں۔ لوگ گھر بیٹھے اپنا پسندیدہ کام کر سکتے اور کسی سبق سے بہرہ مند ہو سکتے ہیں۔ لوگوں کے دلوں کے درمیان کے فاصلے سمٹ گئے ہیں۔ کمپیوٹر کا بھی دفاعی نظام، کالجوں، بینک، دفاتر غرض زندگی کے ہر شعبے میں بہت بڑا کردار ہے۔ فائلوں کے انبار کی جگہ ایک حساب کتاب کرنے والی مشین یعنی کمپیوٹر نے لے لی ہے۔

سو گزرنے والا ستاروں کی گزرگاہوں میں
اپنے افکار کی دنیا میں سفر نہ کر سکا

لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جہاں سائنس کے ارتقا نے ہمیں اتنے فائدے پہنچائے ہیں وہاں اس نے ہماری زندگی میں بہت سی مشکلات پیدا کی ہیں۔ اس نے مادیت پرستی کو رجحان دیا ہے۔

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 5/7) انسان اپنی آخرت کی فکر بھلا چکا ہے۔ وہ دنیا کی دولت سے محبت کرنا شروع ہو گیا ہے۔ اس سلسلے میں وہ مختلف لوگوں کے حقوق کھانے سے نہیں رکتا۔ انسان حیوانوں کے درجے تک جا گرا ہے کیونکہ اس کے اندر سے احساس کی قیمتی خوبی غائب ہو گئی ہے۔ دنیا کے مال نے اس کو اندھا کر دیا ہے۔

آدمی ظلمتوں میں ڈوب گیا
چاند ستارے رہے تماشائی

اس کے علاوہ دنیا میں ایٹم بم کی وجہ سے **انتشار** بھی بہت پھیلا ہے۔ سائنس کی مختلف ایجادات نے لوگوں میں چڑچڑاپن، اکتاہٹ، زندگی سے بے بسی اور خود اعتمادی کی کمی پیدا کی ہے۔ کارخانوں سے نکلنے والے دھوئیں نے زندگی کو مشکل کر دیا ہے۔ ایک طرف ہم بیماریوں کا علاج نکالتے ہیں اور دوسری طرف خود مہلک بیماریاں پیدا کرتے ہیں۔

اس زمانے میں درکار ہیں پتھر کے جسم
کارخانوں کے دھوئیں میں گھل ہوا جاتا ہوں میں

مزید انٹرنیٹ پر کوئی اخلاقی ضابطہ متعین نہیں۔ سوشل میڈیا نے عریانی اور فحاشی کی ترویج و اشاعت میں اہم کردار ادا کیا ہے جو نوجوانوں کی اخلاقی پستی کا باعث ہے۔

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 6/7) وغیرہ نے بھی لوگوں کی رازداری ختم کردی ہے اور امن کی دنیا میں بے چینی پھیلا دی ہے۔ ایک سائنسدان کا کہنا ہے!

"سائنس نے انسان کو ہواؤں میں اڑنا اور سمندر میں تیرنا تو سکھا دیا لیکن اس کو زمین میں رہنے کے آداب نہ سکھائے۔"

آخر میں یہی ہے کہ ہر چیز اچھی یا بری نہیں ہوتی بلکہ اس کا استعمال اسے اچھا یا برا بناتا ہے۔ اس سائنس کی افادیت یا مضرت کا انحصار اس کے استعمال کرنے والے کے ذوق و شوق پر مبنی ہے۔ اگر کوئی تعمیری سوچ والا شخص اس سے کام لے گا تو اس سے ضرور بھرپور فائدہ اٹھائے گا۔ لیکن تخریبی سوچ والے لوگ سائنس کو ہمیشہ برے کاموں کے لیے استعمال کریں گے۔ ہمیں چاہیئے کہ سائنس کو اچھے مقاصد کے لیے استعمال کریں تاکہ ہر کوئی خوشی رہے اور دنیا امن کا گہوارہ بن سکے۔

؎ گزرنے والا ستاروں کی گزرگاہوں میں
اپنے افکار کی دنیا میں سفر نہ کر سکا

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 7/7)